

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

پچھلی اشاعت کے اشارات میں جو بحث ناقص رہ گئی تھی یہ اسی کا بقیہ ہے۔

حلقہ کراچی و سندھ کی جماعت اسلامی کے امیر سے اس موقع پر بڑا گناہ کبیرہ سرزد ہو گیا کہ ان کے قلم سے ایک بیان اخبارات میں شائع ہوا جس میں اسلامی دستور کے سب سے پہلے علمبردار ملک کے دارالسلطنت میں منعقد ہونے والی ان غیر اسلامی تقاریب پر اظہارِ رائے کیا گیا تھا۔ اس گناہ کبیرہ پر ان تقاریب کے مہتمم صاحب نے جس شان سے اظہارِ عقاب فرمایا ہے اور لے دے کی ہے، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کی ایک جھلک بھی دکھادیں۔ وہ فرماتے ہیں:-

”ہم نے حلقہ سندھ و کراچی کی جماعت اسلامی کے امیر کے بیان کو گہرے اضطراب کے ساتھ دیکھا جو نیشنل آرٹ گیلری کے لیے ہماری چندہ جمع کرنے کی مساعی سے متعلق ہے۔

— یہ بیان اندھی مذہب پرستی، جہالت اور تاریخی حقائق کی قطعی اسی تعبیر کا ایک مثالی نمونہ ہے۔

— اس میں ”اسلامی اخلاقیات کے لیے خطرہ“ کا نعرہ لگا کر مذہب کو خواہ مخواہ لگسپیٹ لایا گیا ہے۔

— کراچی میں ”پیرس کی فضا“ بنانے کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جیسے پیرس بُرائی

اور ناشائستگی کا مرکز ہے — حالانکہ پیرس آرٹ اور کلچر کے وسیع خزانوں کا مالا مال ہونے کے

لے کس کماں سے ایک ”قومی منصفہ“ (جو اسلامی پھر بھی نہیں ہے) کو آگے کر دیا گیا ہے۔ یہی حکمت اس طرح کے ناممکن

میں اختیار کر لی گئی ہے مثلاً مینا بازار لکنا ہے تو اس کے ساتھ کسی اسکول کے قیام کے لیے چندہ کا دم چھٹا لگا دیا جاتا ہے

”اپنا کی پھول سرگرمیاں ہیں تو ان کا جوہر تعلیم و صحت کے سلسلے کی کچھ سوشل سروسز سے لگا ہوا ہے، اب اگر آپ کسی غیر

تقریب کی طرف اعتراض کی انگلی اٹھائیں تو کہا جائے گا کہ وہ صاحبِ وا۔ ایسی اہم خدمات کو انجام دینے کے لیے

جو لوگ کام کر رہے ہیں، ان کے راستے میں اسلام کے نام پر دھڑا اٹکایا جاتا ہے۔

محافظ سے دنیا کے شہروں میں یہ مشکل ہی اپنا کوئی ثانی رکھتا ہے۔

— یہ غلط ہے کہ آرٹ مسلم تاریخ میں واجد علی شاہ اور محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں نمودار ہوئے۔

جی نہیں! یہ تو مسلمانوں کے دورِ عروج میں ابھرا ہے۔ ایرانی اور متعل مراکز فن دورِ زوال میں پیدا نہیں ہوئے۔

— تمام "ترقی پسند" مسلم ممالک، خصوصاً مصر و ترکیہ میں براہِ راست ریاست کی سرپرستی اور

مالی اعانت سے قومی سرگرمیوں کو فروغ دیا جا رہا ہے۔

— قومیں جو اسلام کو اپنا مذہب نہیں مانتی ہیں، وہ اخلاق و کردار کے جن اصولوں کے بل

پر عظمت حاصل کیے ہوئے ہیں، کاش کہ ہم نے اتنی مدت تک ان اصولوں سے صرفِ نظر نہ کیا ہوتا۔

— یہ خصوصیت صرف جہلا کی ہو سکتی ہے کہ وہ دوسروں کے اخلاق و سیرت کی بنیادوں کو

سمجھ بوجھ بغیر ان پر اپنے اخلاقی نظریات کو ٹھونسنے کی کوشش کریں۔

— کراچی کے فن کار سیرت و کردار کے اونچے اسلامی اصولوں کے تحفظ میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔

— اُن کو اپنے مشاغل میں گمن رہنے اور پاکستان اور اس کے دارالسلطنت کے ہم پچھلے

ہونے حقوق اور سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کا ویسا ہی حق حاصل ہے، جیسا جماعت اسلامی کے ارکان کو۔

— اگر جماعت اسلامی کے ارکان فن کا مانہ سرگرمیوں کو فروغ دینے میں ہماری مساعی کو

پسند نہیں کرتے تو ہم مشورہ دیں گے کہ وہ اپنی پسند کی حجت کسی دوسری جگہ جا کر بنائیں۔

— خاتمہ کلام پر ہم اپنے محبوب وزیرِ اعظم اور گورنر سندھ اور دوسرے زعماء کا شکریہ ادا کرتے

ہیں جنہوں نے اپنا پُر نوازش اور پُر جوش تعاون ہمیں ہم پچھلایا، جو اگر حاصل نہ ہو تو پاکستان میں آرٹ

اور کلچر کی ترقی کے لیے کوئی تحریک کامیاب ہو ہی نہیں سکتی۔

— یہ ہماری دلی تمنا ہے کہ پاکستان بغیر مذہبی تعصب اور تنگ نظری کی خصل اندازی کے

ترقی کی راہ پر بڑھتا چلا جائے۔

اس عبرتناک بیان کو پڑھیے اور غور سے پڑھیے، اور ہو سکے تو اس کے آئینے میں "اسلامیت"

کے اُن تصورات کی جھلک دیکھنے کی کوشش کیجیے جو اسلام کا نام لیتے ہوئے دلوں میں مخفی رکھا جاتا ہے۔ اس میں دیکھنے کی سب سے اہم چیز وہ شکر یہ ہے جو خاتمے پر ہمارے ”اکابر“ کو پیشکش کیا گیا ہے۔ یوں تو یہ شکر یہ ہے، لیکن امیر جماعت اسلامی کراچی و سندھ کی طرف روئے سخن کر کے اسے پیش کرنے سے یہ تجانا مقصود ہے کہ جانتے ہو ہماری فن کارانہ سرگرمیوں کی پشت پناہی کرنے والے کون کون لوگ ہیں، ہماری سرپرستی کیسی کیسی قوتیں کر رہی ہیں۔۔۔۔۔ وزیر اور گورنر!

یہی وہ احساس ہے جس نے صاحب بیان میں غیر معمولی درجے کی جسارت پیدا کر دی ہے۔ وہ اس بیان میں اسلام، دستور پاکستان، جمہور کے رجحانات وغیرہ سے بہت اونچا اٹھ کر بات کر رہا ہے۔ اس ”احساس قوت“ سے لفظ لفظ کا پیالہ لبر نہ ہے۔ اسی کی وجہ سے سارا بیان ایک چیلنج کا مزاج رکھتا ہے۔ یعنی کہا یہ جا رہا ہے کہ جب ملک کے وزیر اور گورنر اس راستے پر فنون لطیفہ کا قافلہ جلوں لے کر چلی کھڑے ہوئے ہیں تو پھر دینی رجحانات ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں اور دستور پر پورٹ کے منہا اصول ہمارے قدم کیونکر روک سکتے ہیں؟۔۔۔ سبیاں بھٹے کو تو وال، اب ڈر کا ہے کا!

اس بیان کی گہرائی میں اسلامی قدروں کو پسند کرنے والوں کے لیے دھمکی بھی موجود ہے یعنی اثر یہ ڈانا مطلوب ہے کہ اس کام کی پشت پر وزیر اعظم اور ایک صوبائی گورنر اور دوسرے اکابر ہیں جو حکمانہ اختیارات رکھتے ہیں اور جو سیکورٹی ایکٹ اور سیفٹی ایکٹ سے مسلح ہیں۔ یہ دھمکی آخر میں جانکر بالکل کھلا کھلا انداز اختیار کر گئی ہے۔ یعنی جس کسی کو فنیسی ڈریسز اور نقابی ناچ اور مینا بازار جیسے نگین ہنگامے پسند نہ ہوں اس کے لیے پاکستان میں کوئی جگہ نہیں ہے۔

یہ بیان آئینہ ہے اُس قلیل التعداد مگر طاقت پائے ہوئے فرنگیت ماب عنصر کے ذہن کا جو ایک ہی وقت میں اسلام کے نعرے بھی لگاتا ہے اور اسلام کو پا مال بھی کرنا ہے۔ نام کتاب و سنت کا لیتا ہے

۱۔ اس لیے ایک دھمکی سکھر میں گونز رہاٹی سکول کی غیر اسلامی سرگرمیوں سے عیسوی مصلح صاحب کے ایک بیان پر سندھ کے ایک وزیر صاحب کی طرف سے دی جا چکی ہے۔ انہوں نے تو یہاں تک فرما دیا تھا کہ جو ہماری ان سرگرمیوں میں آڑے آئے گا ہم اسے سنتی سے دبا دیں گے۔ اسی کو کہتے ہیں اٹا چور کو تو وال کو ڈانٹا!

اور سرچشمہ ہدایت پیرس کو مانتا ہے۔ مذہب کا فارم بھی بنتا ہے اور مذہب کو تنگ نظری اور تعصب کا نام بھی دیتا ہے۔ پھر جب اُس کا یہ تضاد لوگوں میں اضطراب پیدا کرتا ہے تو یہ ان کو دھکیلا دیتا ہے۔ ہم صاحب بیان اور اس کے فن پرست طبقے کا نفسیاتی تجزیہ کیسے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے۔

(۱) پیرس آرٹ اور کلچر کے وسیع خزانوں سے مالا مال ہوگا، ہزار مرتبہ ہوگا، لیکن کیا وہ آرٹ اور کلچر اسلام کا ترجمان ہے؟ اس میں قرآن بولتا ہے؟ اس میں سنت اپنا اظہار کرتی ہے؟ اس میں انبیاء کی تعلیم گندھی ہوتی ہے؟ اُس میں وہ کونسا جزو ہے جس کی وجہ سے ہم اُس پر فریقہ ہوں۔

(۲) کیا واقعہ یہ نہیں ہے کہ آرٹ اور کلچر کے اس قارون کو گزشتہ جنگ عظیم میں بودا ثابت کرنے اور بالکل تفسیرے درجے کی طاقت بنا دینے میں منجملہ دیگر اسباب کے خود اس آرٹ اور کلچر کا بھی بڑا حصہ ہے؟

(۳) مسلم سہٹری میں آرٹ اور کلچر کا ظہور واحد علی شاہ اور محمد شاہ رنگیلے کے دور سے بہت پہلے ہوا سہی، لیکن کیا آپ اس کے سرچشمے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا ابوبکر صدیقؓ، یا عمر فاروقؓ، یا عثمان غنیؓ، یا علی مرتضیٰؓ، کے دھند میں دکھا سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا ہر وہ چیز جو مسلمان بادشاہوں میں سے کسی کے دور میں پہلے سے ہاں نمودار ہو گئی ہو وہ از خود اسلامی ہو جائے گی؟ ہماری تاریخ میں سازشیں بھی ہوئیں، قتل بھی ہوئے، زہر خورانی بھی ہوئی، جو رو تشدد بھی ہوا، لاشیں بھی مچی، زنا بھی ہوئی، عیاشیاں بھی کی گئیں، غداری کے واقعات بھی ہیں، وعدہ خلافیاں اور دھوکے بھی کیے گئے ہیں، سلب و نہب بھی ہوا ہے، ائمہ امت کو تباہ کیا گیا ہے، تو کیا یہ سب کچھ اسلامی بھی ہو گیا۔ کسی چیز کے اسلامی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت اور پھر نیچے آکر کم سے کم سنت خلفائے راشدین اسے جائز قرار دے۔ اور کوئی چیز یہاں حجت نہیں ہے۔

(۴) مصر اور ترکیہ اور دوسرے مسلمان ممالک کا کسی چیز کو اختیار کر لینا اگر اسلامیت کی سند ہے تو پھر ماشاء اللہ ان مآخذ سے وہ ماڈرن اسلام ہاتھ آئے گا کہ ہم نام اللہ کا!

(۵) آپ کا یہ فرمانا کہ "اخلاق و کردار کی قدیں جو کسی قوم کو عظمت دیتی ہیں کسی ایک مذہب

کا اجارہ نہیں۔۔۔ اس حقیقت کے انکار پر مبنی ہے کہ ”ان الدین عند اللہ الاسلام“ اللہ کے نزدیک تو دین (نظام حیات) بس اسلام ہی ہے، اور اس حقیقت کے بھی انکار پر مبنی ہے کہ پہلے اسلام کی امانت جن قوموں کی تحویل میں دی گئی تھی انہوں نے خیانت کر کے اسے مسخ کر ڈالا ہے اور اُس کا ایک حصہ ضائع کر دیا ہے۔ پھر آپ کا یہ ارشاد کہ اسلام کے بغیر بھی مغربی قومیں عظمت یافتہ ہیں، اس امر واقعہ سے لاعلمی پر مبنی ہے کہ ان قوموں کو جہاں ایک طرف سے مادی ترقی حاصل ہے وہاں دوسری طرف اخلاقی مفساد کا گھٹن بھی انہیں کھا رہا ہے۔

(۶) یہاں کسی کی طرف سے اپنے نظریات کو دوسروں پر لادنے کا سوال نہیں، یہاں تو صورت واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کی اکثریت نے اپنی اجتماعی مرضی کا اظہار کرتے ہوئے دستوری ریپرٹ کی قرارداد متعاصد اور اس کے رہنما اصولوں میں اُن اخلاقی نظریات و تصورات کو صراحت سے پیش کر دیا ہے جن پر وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو ڈھاننا چاہتی ہے۔ اس نے اپنا سرچشمہ ہدایت صرف خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو قرار دیا ہے۔ مسلمان بادشاہوں کی تاریخ، مصر اور ترکی اور پیرس کے آرٹ کے خزانوں کو نہیں!۔۔۔ اُس نے ایک ایسی فضا بنانے کا فیصلہ کیا ہے جس کے اندر مسلمان اپنی زندگیاں اسلام پر استوار کر سکیں، اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ نہیں میں اس فیصلے کو نہیں ماننا اور میں تو ایسی فضا میں زندہ رہنا پسند نہیں کرتا تو اسے چلہیے کہ وہ اپنے لیے کوئی دوسری بہتر جگہ تلاش کرے۔

(۷) یہاں اسلام اور اسلامی اخلاق اور اسلامی قدروں کے بارے میں ایک متفقہ اجتماعی تصور دستوری جامہ پہن رہا ہے، اور اس تصور کو حکومت کا ایک ایک شعبہ اور اکثریت کا ایک ایک فرد سے کے چلے گا اور اس کی پاسبانی کرے گا اور اسے نقصان پہنچانے والی ہر مفسد طاقت سے ماحول کو پاک کرنے میں حصہ لے گا۔ اب یہ قوم کی قوم اسلام کے معروف کو قائم کرنے اور اسلام کے بتائے ہوئے منکر کو محو کرنے میں ہمہ تن لگ جائے گی۔ اب یہاں مذہب و اخلاق نجی معاملہ نہیں، ایک اجتماعی مسئلہ ہو گا۔ اب کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ میرا اپنا ایک تصور مذہب و اخلاق ہے جس میں

کسی دوسرے کو مداخلت کا حق نہیں۔ ایک شخص اٹھے اور یہاں کاشی اور متھرا کی فضا بنانا چاہئے دوسرے یہاں پیرس کا ماحول تیار کرنے میں لگ جائے، تیسرا یہاں نالنگا کلب قائم کرے، چوتھا غسل آفتابی کی تحریک شروع کر دے۔ اب اس طرح کی آزادی نظریات و کردار کا یہاں کوئی کام نہیں ہے۔ یہاں جو بھی کوئی اقدام یا حرکت کرے گا اسے ثابت کرنا ہوگا کہ یہ اسلام کا تقاضا ہے اور عین کتاب و سنت کے مطابق ہے۔ ورنہ پوری قوم اس کی مزاحمت کرے گی، دستور اس کی مزاحمت کرے گا، حکومت اپنی ساری طاقتوں سے اس کی مزاحمت کرے گی۔

(۸) بہت دلچسپ ہے کراچی کے فن کاروں کا یہ ادعا کہ وہ اسلام کے بلند اصول اخلاق کے تحفظ میں پیش پیش ہیں۔ جی ہاں! اسلام کے اصول اخلاق کا تحفظ فیسی ڈریس شو اور نقابانی ناچ سے زیادہ اور کن سرگرمیوں کے ذریعے ہوتا ہوگا۔

(۹) ”آزادی“ اور ”حقوق“ کا یہ انوکھا تصور کہ اسٹیٹ جن اصول و مقاصد پر قائم ہو رہا ہے ان کی دھڑرتے سے توہین و تخریب کی جائے اور سمنان کہلا کر بلکہ اسلام پر کچھ نہ کچھ احسان دھر کر کی جائے، اسے برسر عام بیان کر کے تو آرٹ کا مثالی نمونہ پیش کیا گیا ہے یعنی آپ کا خیال یہ ہے کہ اسلام مسلمانوں کو خود اپنی بیخ کنی کی اجازت بھی دیتا ہے اور اسلامی ریاست خود اپنی تخریب کے حقوق بھی اپنے مسلم شہریوں کو دیتی ہے۔ آزادی سے مراد اگر اسلام سے آزادی ہے اور حقوق سے مراد اگر اسلامی ریاست کی خبریں کھودنے کے حقوق ہیں تو ایسی آزادی اور ایسے حقوق کسے بس پیرس ہی کی فضا موزوں رہے گی، پاکستان میں آپ کی شکل ہی حقوق حاصل کر سکیں گے۔

ہماری نوخیز اسلامی رائے عام آج جیسی کچھ بھی ہو، عنقریب یہ ایک طوفانی قوت ہونے لگی اور اسلام اور پاکستان کے ساتھ وہ اس طرح کا مذاق گوارا نہیں کرے گی۔

(۱۰) جب تک پاکستان کا دستوری مزاج سیکور تھا تو بلاشبہ اس کی ترقی مذہب سے آزادانہ و منفرد ہو کر آگے بڑھنے میں تھی اور اس میں ہر مذہبی مداخلت پر تعصب اور تنگ نظری کی پھپھتی کسنے کا کھلا موقع تھا، لیکن اب صورت بالکل برعکس ہے، یعنی اب اسلام کی زیادہ سے زیادہ پابندی سے ترقی نمودار

ہونگی اور اس ترقی میں الحاد اور فسق کی مداخلت بے جا تعصب اور تنگ نظری کی تعریف میں آئے گی اور ایسی مداخلت کرنے والے عناصر سوسائٹی میں اچھوت بن کے رہ جائیں گے۔

(۱۱) آپ قوم کے اکابر کو غیر اسلامی ہنگامہ ہائے رنگین کی پشت پرہ دکھا کر زیادہ شادماں نہ ہوں کیونکہ اگر آپ جیسے لوگوں نے ان کو غلط فہمیوں میں ڈال ڈال کر اکثریت کے جذبات و احساسات سے لڑا دیا تو اس سے خود انہی کو نقصان پہنچے گا۔ یہاں اب پابندی، قوت، اعتماد اور عوامی تعاون وہی قیادت حاصل کر سکے گی جو اخلاص سے اسلامی نظام کو قائم کرنے میں سرگرم عمل ہو۔ جو قوت بھی کھو کھلے اسلامی نعروں کے ساتھ اسلام کو پامال کرے گی وہ پاکستان کی فضا میں کبھی قدم نہیں جاسکتی پس براہ کرم اکابر کو غلط مشورے نہ دیجئے۔

ادپرہم نے جن ناخوشگوار واقعات کا نوٹس لیا ہے، بجائے ایسے اُن کا تذکرہ کرنا بھی بڑا ناخوشگوار کام ہے۔ ہم اپنی زبان اور اپنے قلم کو، اور بالخصوص ترجمان القرآن جیسے جریدے کے صفحات کو اُن واقعات کے بیان میں استعمال کرنے پر اپنے آپ کو بڑی مشکل سے تیار کرتے ہیں۔ اپنے اکابر قوم جن کے بہر حال ہم کبھی بدخواہ نہ تھے۔ کی کمزوریوں کا تذکرہ کرنا اور ان کا ناقدانہ تجزیہ کرنا کوئی دلچسپ مشغلہ نہیں ہے کہ اس سے مزہ لیا جاسکے۔ یہ ایک تکلیف دہ فرض ہے جسے چار و ناچار ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس تذکرے کا منشا صرف یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کی مسلم لیگی قیادت پر یہ واضح کر دیں کہ آپ کی قوم نہ صرف یہ کہ ان چیزوں کو سخت ناپسند کرتی ہے، بلکہ اسلامی دستبرد کا جو عملی مفہوم وہ ان سرگرمیوں کے آئینے میں دیکھتی ہے اس کی وجہ سے اس میں ایک بزدلی، بے اعتمادی، جمود اور سیاہ روایات تشدید اضطراب پیدا ہونے لگتا ہے۔ یوں جب عوام کا اطمینان درہم برہم ہو جاتا ہے تو ان کے اندر ہر مفسد عنصر کو قدم جمانے اور مختلف ناپسندیدہ رجحانات پھیلانے کا موقع ملتا ہے۔ قول اور فعل، نعروں اور اقدامات، دستوری فیصلوں اور عملی سرگرمیوں کا یہ خوفناک اور کھلا تضاد قیادت کے لیے کسی حال میں بھی مفید نہیں ہو سکتا۔ پس یہ حقیقت ہے جسے خیر خواہی اور اخلاص کے ساتھ ہم سامنے لانا چاہتے ہیں۔

اصول پسندی، مقبولیت اور اخلاص کے راستے کے سوا کسی قیادت کے لیے پائیداری، عوامی اعتماد اور قوم کے تعاون کے حصول کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ہم اپنے اکابر کو اسی راستے پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس راستے پر چلنا ہو تو پھر اپنے حقیقی ایمان اور نظریے اور پسند کے خلاف کبھی کوئی ایسی بات نہ تسلیم کیجیے، نہ اپنے نعروں میں شامل کیجیے، نہ دستوری فیصلوں میں داخل کیجیے، نہ اپنی تقریروں کو مزین کرنے میں استعمال کیجیے جس پر عمل کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ اکثریت اگر ایسی کسی بات کے لیے تقاضا اور اصرار کرے تو اسے سمجھائیے، اسے دلائل دیجیے، اسے اپنی رائے سے متاثر کیجیے، اس کے رجحانات کی غلطی (اگر ہو تو) اس پر واضح کیجیے، اس کا ضمیر بدلتے، اس کے سوچنے سمجھنے کے انداز میں تغیر پیدا کیجیے اور اس کا ذہنی تعاون اپنے ایمان اور نظریات، اپنے ترقی کے تصورات، اپنے آرٹ اور کلچر کے نفع کے لیے حاصل کیجیے۔ پھر اگر لادین سیاسی نظام، فرنگی معاشرت، پیرس کے آرٹ اور کلچر، کراچی کے فنکاروں کے اصول اخلاق و سیرت اور فنیسی ڈریس شو اور تعابنی ناچ کے لیے رائے عام ہموار ہو جائے تو علی الاعلان اپنے نعروں اور تقریروں اور دستوری فیصلوں کے ذریعے اپنے عزائم کو لے کے اٹھیے۔ پورے نعرے انہیں قول میں بھی لائیے اور عمل سے بھی پیش کیجیے۔ بخلاف اس کے اگر اکثریت کی رائے کو آپ اپنے ایمان اور نظریات اور تصورات اور عزائم کے حق میں ہموار نہ کر سکیں تو اخلاص و دیانت کے مطابق جمہوری راہ یہ ہے کہ اقتدار کی کرسیاں خالی کر کے اکثریت کو آپ موقع دیں کہ وہ اپنے ایمان اور نظریات اور تصورات کے تحت زندگی کی تعمیر نو کے لیے جن معماروں کی خدمات حاصل کرنا چاہتی ہو کر لے۔

لیکن افسوس ہے کہ ہمارے اکابر یہی نہیں کرتے۔ اب دیکھیے کہ دستور میں اسلام کے تقاضوں کو رہنما اصول قرار دینے کے بعد جہاں ایک طرف فراری و نہیت کے سائے مذکورہ بالا کرشمے ہمارے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں وہاں اسلام کو برابر تقریروں اور نعروں کے لیے سامان آرائش بھی بنایا جا رہا ہے۔ حال ہی میں کراچی میں سائنس کانفرنس کے دوران انعقاد میں تعلیم کے مسئلے پر بھی ایک مجلس مشاورت (SYMPOSIUM) منعقد ہوئی تھی۔ اس میں ڈاکٹر استیاق حسین قرشی اور ڈاکٹر محمود حسین رسالتی (تعلیم) نے جو اظہار خیال کیا ہے اور جس پر اتفاق رائے پایا گیا ہے اس میں حسب ذیل نکات بڑے

اہم ہیں :-

— اسلام نجی مذہب نہیں بلکہ مکمل نظام زندگی ہے۔

— اسلامی اصولوں پر اگر معاشرے کی تعمیر کی جائے اور جمہور کے اخلاق کو ان کی بنیاد پر اٹھایا جائے تو ایک ایک خرابی کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔

— اس مقصد کے لیے ناگزیر ہے کہ تعلیم جواب تک نئے مقصد چلی آ رہی ہے، اسے اسلامی اصولوں پر استوار کر کے بامقصد بنایا جائے۔

— ہمارے نظام تعلیم کا مزاج اسلامی ہونا چاہیے۔

دیکھیے کہ کتنی اچھی باتیں ہیں، کتنی سچی باتیں ہیں، یہ اکثریت کے رجحانات سے کتنی مطابقت رکھتی ہیں۔ لیکن ان باتوں کا مفہوم جب لوگ عملی سرگرمیوں کے لغت میں دیکھتے ہیں تو بالکل برعکس ملتا ہے۔ پھر، ابھی گنتی کے چند روز بیتے ہیں کہ ہمارے وزیرِ اعظم نے مشرقی پاکستان کی ناسازگار انتخابی فضا کو دیکھ کر عوام کے جذبات کو اپیل کرنے کے لیے یہ نعرہ لگایا کہ ”ہم سب ایک خدا، ایک قرآن اور ایک حدیث کو ماننے والے ہیں۔“ لہذا ہمیں باہم متحد اور ہم آہنگ رہنا چاہیے۔ کتنا صحیح نعرہ ہے، کتنی اچھی اسلامی اپیل ہے! لیکن یہ کما حقہ نتیجہ اس لیے نہیں دکھائی کہ پاکستان کے عوام جس خدا اور جس قرآن و حدیث کو مانتے ہیں اس کے دین میں ان ہنگاموں کی کھپت نہیں ہے جن سے ابھی ابھی وزیرِ اعظم فارغ ہو کر انتخابی میدان میں پہنچے ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ برسرِ اقتدار عنصر کا خدا اور اس کے قرآن و حدیث کوئی اور ہونگے جو بیس کو سرِ چشمہ تہذیب قرار دیتے ہیں، جو مغربی عریانی و بے حیائی کو آرٹ اور کلچر کا نام دیتے ہیں جو اخلاقی تصورات میں ہر ایک کو کھلی چھوٹ دیتے ہیں، جو دین کی پابندی و احترام کو جہالت، اندھی عقیدہ پرستی اور تنگ نظری کی تعریف سے پیش کرنے کا درس دیتے ہیں۔ بنائے اتحاد خدا اور قرآن اور حدیث کا لفظی نعرہ نہیں ہو سکتا، وہ عملی یک جہتی، فکری ہم آہنگی اور اخلاقی یکسانی ہو سکتی ہے جو خدا اور قرآن اور حدیث کی تعلیم سے عالم واقعہ میں رونما ہو۔ وہ کہاں ہے؟

آخر محض بے معنی لفظوں کے کھوٹے سکتے کب تک چلائے جاسکتے ہیں!

اصول پسندی، مقبولیت اور اخلاص کا تقاضا دوسرے پہلو سے یہ ہے کہ جس چیز کو آپ زبان سے تسلیم کریں، جسے اپنے عرائم کا جزو بنالیں، جسے دستوری فیصلے کی حیثیت دے دیں، پھر اس کے مطابق اپنے ایمان و نظریہ میں بھی حقیقی تبدیلی پیدا کریں اور اپنے عمل و کردار سے بھی اسی کو فروغ دینے کی جدوجہد کا مظاہرہ کریں۔

یقین جانئے کہ اگر آپ اپنے اسلامی نعروں اور تقریروں اور دستوری فیصلوں کے مطابق ذہن و عمل کی تبدیلی کا مظاہرہ کریں تو پوری کی پوری قوم آپ کے ساتھ تعاون ہی نہیں کرے گی، آپ پر فریفتہ ہوگی، آپ کو سر آنکھوں پر بٹھائے گی اور ایک ایسی مقبولیت عام کے دروازے آپ کے لیے کھل جائیں گے کہ جس کا اب تک آپ حضرات تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ مقبولیت پا کر اگر آپ اس قوم سے کوئی اپیل کریں گے تو بچہ بچہ اس پر لبیک کہے گا، پھر اگر آپ اتحاد کے لیے پکاریں گے تو کوئی ایک فرد بھی اختلاف نہیں کرے گا، آپ کسی فنڈ کا مطالبہ کریں گے تو لوگ اپنے اوپر فاقے گوارا کر کے بھی آپ کی جھوبیاں بھر دیں گے، آپ دفاع کے لیے بلائیں گے تو ساری قوم سڑوں پر کنن باندھے نکل کھڑی ہوگی، آپ مناصب سے بھاگنا بھی چاہیں گے تو لوگ زبردستی یہ بوجھ آپ ہی کے کندھوں پر رکھیں گے۔ ہر طرف ایک نیا جذبہ اٹھ پڑے گا، ترقی کی رود و ڈنڈے لگے گی، قومی عظمت کے نئے سرچشمے اُبلتے دکھائی دیں گے اتحاد و وسپن کا ایک نیا معیار قائم ہونے لگے گا، مفسد عناصر کے لیے اپنی سرگرمیاں جاری رکھنا سرے سے ممکن نہ رہے گا۔ اور لوگوں کو قابو میں رکھنے کے لیے کسی استبدادی قانون کے استعمال کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ اس مقبولیت کو حاصل کرنے کا ایک نیا موقع پہلے بھی آیا تھا۔ قرارداد مقاصد کے پاس ہونے کے بعد ساری قوم میلین عمل میں قیادت کی طرف سے ایک نئی تبدیلی پیدا کر دکھانے کی امیدیں لگائے بیٹھی تھی لیکن ایک بھاری کریدٹ حاصل کرنے کا وہ نیا لمحہ اس الٹی روش نے غارت کر دیا جس کے خلاف قرارداد مقاصد کا ایک ایک لفظ کربے چنچ اٹھا۔ اب یہ موقع پھر آیا ہے۔ دستوری رپورٹ کے رہنما اصولوں کو دہش طایفہ چور و دانے بند کر دیے جائیں، پاس کر کے اگر ہماری قیادت فکر و نظر، اور عمل و کردار کی حقیقی تبدیلی کا ثبوت دے اور اسلامی معاشرہ کی بنیادیں رکھنے میں صحیح صحیح حصہ ادا کرے تو اس قوم کا صد فی صد اعتماد، اس کا

مکمل تعاون اور اس کی پوری کی پوری اطاعت انہیں حاصل ہو سکتی ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ کاروانِ عمل ایک بار پھر دستوری فیصلوں کے خلاف چل پڑا ہے۔ قوم کی تمناؤں اور امنگوں کے خلاف دوبارہ اس تضاد کا نورِ شہر سے سامنے آنا لازماً بد دلی، بے اعتمادی اور اضطراب کو بڑھائے گا۔ پھر آپ اس اضطراب کو دبانے کے لیے تشدد کے طریقے اختیار کریں گے جب تشدد کی دوا سے مرض بڑھتا نظر آئے گا تو خدا نخواستہ آپ ان چھوٹے ہتھیاروں پر اترا آئیں گے جن پر وہ طاقت نہیج ہو کر اتر آتی ہے جس کی کمر میں اقتدار کی تلوار بندھی ہو۔ پھر اسے عام کا قتل عام ہو گا اور اس کی نمائندگی کرنے والے بے گناہوں کے خون سے آپ ہاتھ رنگیں گے۔ مگر کوئی تخت جو لاشوں کے ڈھیروں اور خون کی لہروں پر بچھا یا جائے، اپنے پایوں کو مضبوط نہیں بنا سکتا۔

مغربی تصورات کو مسلمان قومیں — ان میں سے خاص طور پر پاکستانی قوم — اپنے اندھ جذب کرنے پر کسی طرح تیار نہیں ہیں۔ ان قوموں کی اکثریت پر اگر مغرب پرست اقلیت محض اختیارات کے نور سے مغربی تصورات کو ٹھونستی بھی ہے تو یہ اپنی جڑیں نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ تصورات چونکہ جہاں جس خدک دخل پاتے ہیں اسلامی تصورات سے لازماً متصادم ہوتے ہیں، اس لیے مسلم قوموں میں ان کے خلاف شدید ردِ عمل پیدا ہوتا ہے۔ ترکیہ میں کمالی تحریک نے حکومت کی طاقت سے ساہا سال تک اسلامی تصورات کی بیخ کنی اور مغربی تصورات کی آبیاری کی جو کوششیں کی ہیں ان کے بعد بھی دیکھیے تو معاملہ وہیں کا وہیں ہے۔ بلکہ نوبت یہاں پہنچی ہے کہ مصطفیٰ کمال کی سیاسی عزت کو بچانے کے لیے قانون کے ڈنڈے سے کلام لیا جا رہا ہے۔ یہی حال مصر کا ہے کہ عوام اسلامی تصورات سے ہزار تشدد کا سامنا کرنے کے باوجود وابستہ ہیں پاکستان کے عوام تو دینی احساس و شعور کے لحاظ سے اور غار و رڈ ہیں یہاں مغربی تصورات کو بالجبر ٹھونسنے سے ذہنی کشمکش و اضطراب کی ایک ایسی صورت نمودار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی جو قومی تعمیر و ترقی کے لیے سخت موجب نقصان ہوگی۔ اور آج بھی پاکستان کی ترقی میں اگر کوئی چیز مانع ہے تو وہ یہی ہے کہ قوم کی اکثریت کسی اور طرف بڑھنا چاہتی ہے اور برسرِ اقتدار طبقے کی اقلیت اسے

کسی اور طرف گھٹیتی ہے۔

پس ہمارا مشورہ یہی ہے کہ جو دستوری فیصلے اسلام کے مطابق ہوئے ہیں ان کے خلاف فراری ذمہ داری کے ساتھ ایسی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی ہمارے ملک کے اکابر نہ کریں، جو وعدے قوم سے وہ کرتے رہے ہیں، ان سے عمل کے میدان میں انحراف نہ کریں، جو اسلامی نعرے اور تقریریں پیش کرتے ہیں ان سے برعکس عملی مفہوم پیدا نہ کریں، کتاب و سنت کے اسلام کو قائم کرنے کا غم ظاہر کرنے کے بعد وہ "ماڈرن اسلام" کے کدے نہ دکھائیں۔

قیادت کی مضبوطی، قوت اور مقبولیت کے لیے، ملک و قوم کی تعمیر و ترقی کے لیے اور اسلام کو ایک ریاست کی شکل میں استوار کرنے کے لیے ایک ہی سیدھا راستہ ہے۔

اسلامی ریاست کی نیو ڈال دینے کے بعد ہمارے ملک کی سب سے زیادہ قیمتی متاع ہماری وہ آئیڈیالوجی ہو گئی ہے جس کا ظہور دستوری رپورٹ کے رہنما اصولوں اور اس کی قرارداد و مقاصد سے ہوتا ہے۔ اب ہماری آزادی اور ہماری قوت اور ہماری ترقی کا دار و مدار اسی قیمتی متاع کے تحفظ پر ہے۔ اب ہمارے لیے یہی اصل سرچشمہ حیات ہے اور اسی سے ہمارے تمام غرائم اور حوصلوں اور امنگوں کی آبیاری ہوتی ہے۔ یہ آئیڈیالوجی سلامت رہے تو ہم سلامت رہیں گے، یہ اغیار کی مداخلت سے آزاد رہے تو ہم آزاد رہیں گے، یہ نشرو نما پائے تو ہم نشو و نما پائیں گے، یہ مضبوط ہو تو ہم مضبوط ہوں گے۔ دوسری طرف اسے کوئی وجہ کمزور کرے تو ہم کمزور ہو جائیں گے، اسے کوئی سازش ملیا میٹ کرے تو ہم ملیا میٹ ہو جائیں گے اور اسے کوئی پھیلنے پھولنے کی آزادی سے محروم کرے تو ہم بھی ترقی کرنے کی آزادی سے محروم ہو جائیں گے۔

اس آئیڈیالوجی کے سرچشمہ حیات کا تحفظ اور نشو و نما ناممکن ہے تو صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ دنیا کی کسی امپیریلیٹ طاقت کو سیاسی، معاشی اور نظریاتی میدان میں ہمارے اوپر اثر انداز نہ ہونے کا موقع نہ ملے۔ ہماری آئیڈیالوجی سے اختلاف رکھنے والی اور کوئی برعکس قسم کی آئیڈیالوجی رکھنے والی قوم

اپنا پرتو اس کے اوپر نہ ڈال سکے۔ لیکن اگر کسی کو ہم اس کا موقع دے دیں تو یہ سرخسہ حیات زہر آلود ہو جائے گا، یہ اپنی زندگی بخش برکات سے خالی ہو جائے گا اور ہم حقیقی آزادی، ترقی اور خوشحالی سے کبھی بکنا نہ ہو سکیں گے جو اسلامی اصولوں کے نتیجے میں ہمیں ملنی چاہیے۔

اسلامی ریاست اپنی برکات کے ساتھ اسی صورت میں پروان چڑھ سکتی ہے جبکہ وہ اپنی داخلہ خارجہ پالیسی کو نئی اٹھان اٹھانے کے لیے ہر قسم کی مداخلتوں سے آزاد ہو۔ وہ اپنے سیاسی و معاشی مسائل کو خود حل کر سکے، وہ اپنے بھلے اور بُرے کا خود فیصلہ کر سکے، وہ اپنے باشندوں کے لیے خیر و شر کو خود متعین کر سکے، وہ صلح و جنگ کے مین الاقوامی معاملات کو اپنی مرضی سے طے کر سکے۔ لیکن اگر اسے پیدا ہوتے ہی کسی ایسے معاہدے یا بین الاقوامی معاملے میں جکڑ دیا جائے کہ اس کی آزادانہ نشوونما کا وہیں حائل ہو جائیں تو کاغذ پر لکھا ہوا اسلامی دستور کوئی گہمت نہیں دکھا سکتا۔ اس دستور اور اس کے مقاصد کے تحفظ کا اگر اول روز ہی سے اتہام نہ کیا جائے تو حالات اس کو روندنے ہوئے آگے بڑھ جائیں گے۔ آج اگر ہم کسی فائدے کے لالچ اور کسی امداد کی احتیاج کے تحت لاپرواہی سے ایسے معاملات کر رہے ہیں جو کل جیب اپنے پورے برگ و بار لائیں گے تو ہمیں بعد از وقت یہ محسوس ہو گا کہ :-

— ہم مستقبل کی جنگ کے ایک فریق کے ساتھی بن گئے ہیں جس میں ہماری آئیڈیالوجی اور ہماری مصلحت ہماری شہرت کے حق میں نہیں جارہی، اور عین وقت پر اندازہ ہو کہ تیرکمان سے نکل چکا۔
— ہماری مٹیوں پر، بلکہ ہمارے پیدا آوری نظام پر وہ طاقت اثر انداز ہونے لگی ہے جس کے کسی احسان اور جس کی کسی امداد کے ہم منت کش ہوئے تھے۔

— ہمارے کلچر اور ہماری معاشرت کو خود ہمارے نمائندوں کے ہاتھوں اور خود ہمارے قومی اداروں کے ذریعے ہمارا کوئی محسن ملک ملیا میٹ کر رہا ہے اور ایک نامطلوب کلچر اور معاشرت کو ہمارے اوپر مسلط کر رہا ہے۔

— ہمارے داخلی سیاسی عناصر اور رجحانات میں سے کسی کو ابھارنے اور کسی کو دبائے کے لیے ملک کی رائے عام اور قانون اور مفادِ ملکی کے بجائے پس پردہ کسی اور کی رضا فیصلہ کن بن گئی ہے۔

آخر امپیرلسٹ طاقتوں کے طریق کار کی ایک مستقل تاریخ ہے اور ان کی کرم فرمائیوں اور عنایات اور ان کے احسانات کے پیچھے کام کرنے والے منصوبوں نے دیس دیس میں جو گل کھلائے ہیں ان کے رنگ و بو سے ایک دنیا واقف ہے۔ "عنایات" ہوتی ہیں مگر کہیں بھی فی سبیل اللہ نہیں ہوتیں، ہر عنایت سوداگرانہ ذہن کے ساتھ کی جاتی ہے۔ ایک ہاتھ سے جو کچھ دیا جاتا ہے، دوسرے ہاتھ سے اس سے زیادہ لیا جاتا ہے۔ آخر جو ملک آپ کو غلہ یا روپیہ یا اسلحہ دیتا ہے تو وہ جواب میں آپ سے کچھ لیگا بھی! سوال یہ ہے کہ اس کی نظر کس مفاد پر ہے؟

آپ کہتے ہیں کہ ہم لینے کو تو سب کچھ لے لیں گے، دیں گے کچھ نہیں! فی الواقع اگر ایسی گاتھ کی پوری اور عقل کی کوئی قوم آپ کے علم میں آگئی ہو تو یہ دریا نت بڑی یا دگاز زمانہ ہوگی — ورنہ اندیشہ جس دوسری صورت کا ہے وہ یہ ہے کہ جو کچھ پکھیر و کو داٹھ صیاد نظر آ جاتا ہے لیکن دام تھنگ نہیں نظر نہیں آیا کرتا۔ آپ اگر دانہ بھی کھالیں اور دام سے بھی بچ نکلیں تو تاریخ انسانی میں یہ پہلا معجزہ ہوگا۔ امپیرلسٹ قومیں جن ممالک میں بھی اپنا میدان تنگ و تناز بناتی ہیں وہاں کسی ایسے اصول، نظریے تحریک اور سیاسی نظام کے لیے پینے کی فضا نہیں بننے دیتیں جو ان کے مفاد میں حائل ہو سکے۔ وہ کسی زیر اثر آئے ہوئے معاشرہ کو کبھی ایسی بنیادوں پر تعمیر ہونے نہیں دیتیں جو ان کے مقاصد کے لیے سازگار نہ ہوں۔ ایسی طاقتوں سے جتنا خطرہ کسی قوم کی سیاسی اور معاشی آزادی کو ہو سکتا ہے اس سے زیادہ شدید خطرہ اس کی آئیڈیالوجی کی آزادی کو ہوتا ہے۔

پس ہمہ گیر تبدیلی کا منصوبہ پیش کرنے والا اصولی دستور بنا کر نئی زندگی کا آغاز کرتے ہوئے ایک قوم کو غیر ملکی طاقتوں سے معاملات اور معاہدات کرتے ہوئے انتہائی محتاط ہونا چاہیے۔ لیکن ہماری سربراہ کار ایک طرف اسلامی دستور بناتے ہیں اور دوسری طرف بین الاقوامی معاملات طے کرنے میں نہ صرف لاپرواہی سے کام لیتے ہیں، بلکہ ان کے قول و فعل کے تضاد کی وجہ سے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس دستور کی روح اور اس کے مقاصد کی تباہی کے امکانات سے واقف ہوتے ہوئے وہ دانستہ اس طرح کے فیصلے نہ کر رہے ہوں۔ دونوں میں سے جو بھی صورت ہو، افسوسناک ہے۔